Majallah-e-Tahqiq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 45, Sr. No.136, 2024 pp 135 - 152

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۴۵،شمارہ ۱۳۶، جولائی۔ستمبر ۲۰۲۴ء

کلامِ شیخ رؤف اور اقبال صلاح الدین کی نظم میں پائے جانے والے پنجابی اکھان

☆سید فرمان علی شاہ

Abstract:

This article looks at how traditional literature through the use of proverbs is a source of influence in poetry. We look at their thinking proverbs significance and use and try to associate and relate them to aspects of real life. In relating them to our life situation, this article will also try to attach and associate these proverbs meaning to real life situations as we witness them in our everyday life/interaction. This will create an extended interpretation or meaning of these proverbs to the one (s) intended by the poet. A very significant point in the use of proverbs in the poetry is that the poet has artistically presented two proverbs in succeeding lines mostly to supplement and emphasis each other. According to the poets, the reason for doubling or twinning these proverbs is purely to beautify and bring something unfamiliar to poetry/writing. It (this article) also draws our attention to the lessons mankind can learn to improve or better his life. One of the advantages of using proverbs in literature/writing is that despite their shortness, they have much in them.

زبان یوں تو مُنہ کے اندر موجود ایک نرم سے لوتھڑے کا نام ہے جو ہر جاندار، چرند، پرند اور انسان کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہوتا ہے،مگر اصطلاحاً ایک انسان جو الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے

☆ ریسرچ اسکالر، پی ایچ ڈی اُردو، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

اُس کو ہی عمومی طور پر زبان تصوّر کیا جاتا ہے۔ جیسے پنجاب کے لوگ پنجابی، ایران کے لوگ فارسی، عرب کے لوگ عربی، انگریزوں کی زبان انگریزی، بنگالیوں کی زبان بنگالی اور اُردو بولنے والوں کی زبان اُردو کہلاتی ہے۔ دُنیا کی ہر قوم اپنے مخصوص انداز بیاں اور منفرد الفاظوں کی ادائیگی کی وجہ سے اپنی ایک لسانی پہچان رکھتی ہے۔

عبارت میں تلمیح کا مقصد اشارۃً کسی حقیقی واقعہ کو یاد کروانا ہوتا ہے، جسکی مدد سے قاری اصل بات اور حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ کیوں کہ طویل داستانوں کو سُننے، سُنانے یا دُہرانے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے جبکہ موجودہ تیز ترین گوگل اور انٹرنیٹ کے استعمال کے دور میں لوگوں کے پاس فرصت کے طویل لمحات کا فقدان ہے۔ ابتدائی دور کے انسان سے لے کر آج تک کے جدید انسان کے پاس ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ وقت مختصر ہوتا جا رہا ہے، ایسے ہی انسانی ایجادات بھی مختصر ہوتی جا رہی ہیں اور لسانی اعتبار سے بھی کسی بھی زبان کے مہین اور مشکل الفاظوں کی جگہ آسان، مختصر مگر لغوی اعتبار سے بھرپور الفاظوں نے جگہ لے لی ہے۔ ان حقائق کے دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان و ادب کے ساتھ وابستہ افراد نے اپنی تصنیفات میں تلمیحات کا استعمال کر کے قارئین کے لئے کافی آسانیاں پیدا کی ہیں۔(1)

ضرب المثال کی بنیادیں بھی صدیوں کے تجربات اور واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ضرب المثال پوری دُنیا میں بولی جانے والی زبانوں، تہذیبوں اور ادب کا حصہ ہوتے ہیں اور ہر معاشرہ اپنی زبان کے ضرب المثالوں کو بخوبی سمجھتا ہے۔ ضرب المثال کی ادب میں حیثیت ایسے ہی ہوتی ہے جیسے گھر کے اندر کسی بزرگ اور داناء آدمی کی ہوتی ہے، کیوں کہ بزرگوں نے زندگی کے بے شمار مسائل اور معاملات میں نشیب و فراز دیکھے ہوتے ہیں اور ان سے بہت کچھ سیکھا ہوتا ہے، سیکھنے والے عمل کے دوران حاصل ہونے والے تجربات کو الفاظوں کا پہناوا دے کے ضرب المثال کے روپ میں معاشرے کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جسکی بدولت آنیوالی نسلیں بہت ساری پیش آئندہ مشکلات سے بچ جاتی ہیں۔ کسی بھی ضرب المثال کے پیچھے سالہا سال کے تجربات کا سفر نمایاں ہوتا ہے، اسی لئے انکو معاشرے میں بلا چون و چرا تسلیم کیا جاتا ہے۔

ضرب المثال کے لئے مختلف زبانوں اور لہجوں میں مختلف اور چند مندرجہ ذیل نام اسطرح سے ہیں:

اُردو زبان میں ضرب المثل اور مثل، فارسی زبان میں مقولہ، ہندی زبان میں کہنت یا پرسنگ، انگریزی زبان میں Proverb، لاطینی زبان میں Proverbium پرووربیم، عربی زبان میں مَثَل، پنجابی میں اکھان جبکہ سرائیکی لہجے میں کہاوت یا اکھان، سندھی میں پہاکا، پہاکو یا چوٹی، پشتو میں مَتل، بلوچی میں

بجل[۱۳]، براہوی میں بتل، ہندکو میں مہتل، شینا میں سَویئَو رمَو رییٔ جبکہ گجراتی میں کتھن یا کہنی بولا جاتا ہے۔ چونکہ ہمارا مقصد مذکورہ بالا پنجابی شعراء کے کلام میں براہِ راست اکھان یا پھر اکھانوں کے تناظر میں لکھے جانے والے پنجابی کلام کو پرکھنا ہے۔اس لئے پنجابی اکھان کے بارے میں وضاحت ہے کہ اکھان کا مصدر ''آکھن یا کہن'' ہے۔آکھن سے آکھنا جیسا کہ پنجابی معاشرے میں عمومی طور پر بولا جاتا ہے کہ ''وڈے لوکاں نے آکھیا اے'' جبکہ کہن سے کہنا یا کہنت بنتا ہے جیسے کہ

''کسے دانے بندے نے کہیا اے۔''

ہر زبان کے اکھان بے شک علیحدہ علیحدہ ہیں مگر انکے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں داناء لوگوں کے اُن تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے جو سالہا سال کی عرق ریزی والی مسافت طے کر کے کسی منزل پر پہنچے ہوتے ہیں۔ اکھانوں کے لغوی معنی اور مفکرین کی آراء اس طرح سے ہیں:

لغوی اعتبار سے اکھانوں کے معنی ایسے درج ہیں:

''کہاوت، ضرب المثل، مقولہ، ارشاد، فرمان اور سخن'' (2)

فرہنگِ آصفیہ لُغت میں ضرب المثل کے معنی ایسے درج ہیں:

''کہاوت، مثل بیان کرنا، وہ جملہ جو مثال کے طور پر بیان کیا جائے، کہاوت کی طرح مشہور ہو جانا، زبانِ زدِ عام ہونا، شہرت پانا'' (3)

ہندی لُغت میں اکھان کے واسطے شبد ''انترک مالاً'' استعمال کیا جاتا ہے۔(4)

ظاہر میں الفاظ کچھ اور ہوں اور باطن میں معنی دوسرے ہوں۔ایسا جُملہ جو لفظی معنی کچھ اور دے اور مخفی مفہوم کچھ اور ہو۔مشہور کہاوت ہو اور ایسی ہو جس کے الفاظ باہم مل کر تجربہ شدہ عمل کو ظاہر کریں۔ پوشیدہ بات، راز کی بات، جس کے اندر معنی چُھپے ہوئے ہوں یا کسی عمل کو ظاہر کرے۔

اصطلاحی اعتبار سے سیدہ انجم گیلانی اکھان کے بارے ایسے سمجھاتی ہیں:۔

''ایسا بول جو انسانی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی تجربے کوں مختصر ترین الفاظوں میں بیان کر دے۔'' (5)

یعنی ضرب المثال کو ایسے الفاظوں کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے کہ جو زندگی سے تعلق رکھنے والے اہم ترین معاملات کو تجربات کی بناء پر کم سے کم الفاظوں اور بہترین انداز پر پیش کر دیں۔اسی لئے کئی مشہور مفکرین نے ضرب المثال یعنی اکھانوں کو ''محبوب الامثال'' کا نام دیا ہے۔ ہیئتی اعتبار سے اکھان کی

بڑی خوبی اختصار مگر جامعیت ہے، کیوں کہ اس میں الفاظ کم اور اندر چھُپا ہوا فلسفہ جامع ہوتا ہے۔ضرب المثال ایک طویل داستان یا کسی واقعہ کو کم سے کم الفاظوں میں ایسے بیان کرتے ہیں کہ سالہا سال گزرنے کے باوجود نہ ان الفاظوں میں اور نہ ہی ان کے معنوں میں کوئی فرق آتا بلکہ یہ انسانی تجربات کا چمکتا ہوا رُوپ ہیں۔

اصطلاحی اعتبار سے اکھان ایک ایسی حقیقت ہوتے ہیں جن کو بولنے، لکھنے اور پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے اور ان کا استعمال ہمارے معمولات کا حصہ ہونے کی وجہ سے بغیر حیل و حُجت کے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اکھان ہمارے بزرگوں کے اپنے تجربات ہوتے ہیں اور وہ اپنے ان تجربات کو الفاظوں میں بیان کر کے آئندہ نسلوں کے لئے امر کر جاتے ہیں مزید یہ اکھان نوجوان نسلوں کی راہنمائی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔عمومی طور پر تلمیح کا استعمال شاعری میں کیا جاتا ہے اور اکھانوں کا استعمال نثر میں کیا جاتا ہے لیکن بہ نسبت تلمیح اکھان کے استعمال آسان اور وقت کے ضیاع کو بھی روکتا ہے۔ ادب کی ان دونوں شاخوں میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ انکی تاریخ حیثیت بھی تسلیم شدہ ہے۔کسی بھی صنف کے لکھاری ہمیشہ اپنی تصنیف میں ماضی کو حال سے شناسا کرواکے شاندار مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔ بلاشبہ پنجابی زبان مصادر کے اعتبار سے امیر ہے اور اسکے لکھاری بھی مہان ہیں کیوں کہ انھوں نے نہ صرف اپنی شاعری میں میں تلمیحات کا استعمال کیا ہے بلکہ من بھاتے پُرکشش انداز میں پنجابی اکھانوں کو بھی اپنی تخلیق کاری میں بھرپور مقام دیا ہے،کئی شعروں میں پنجابی اکھانوں کا براہِ راست جبکہ کئی اکھانوں کے تناظرات میں شعر کہے گئے ہیں۔

ہر دور کے پنجابی شاعر نے اپنی شاعری کو خوبصورت جذبات اور اچھے لفظوں کے ساتھ اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے پنجابی زبان کے اکھانوں کو بھی آزمایا ہے۔ پنجابی شاعری میں اکھانوں کا استعمال شاعر کی عقیدتمندی کو ظاہر کرتا ہے کے اسے اپنی ماں بولی سے کس قدر لگاؤ ہے، ویسے بھی شاعر معاشرے کا حساس ترین شخص گردانا جاتا ہے اور وہ ہر واقعے کا گہرائی کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جذبات کو آسان اور بہترین الفاظوں میں ایک ردھم کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اپنے اس بیان کو طوالت سے محفوظ رکھنے کیلئے مناسب اندازِ فکر کے ساتھ تلمیحات اور اکھانوں جیسے مختصر مگر جامع انداز میں وسیع مقصد تک رسائی حاصل کرتا ہے ایسا کرنے سے نہ صرف کلام کی فصاحت و بلاغت بڑھ جاتی ہے بلکہ سمجھدار قاری فوراً سمجھ جاتا ہے کہ شاعر اپنے موجودہ حالات کو ماضی کے تناظر میں بھی دیکھ رہا ہے اور ماضی کے واقعیات اور تجربات کی روشنی میں عصرِ حاضر کے پیش مسائل پر اپنا تجزیہ پیش کر رہا ہے۔

پنجابی زبان کے شعراء نے نہائت باریک بینی کے ساتھ پنجابی اکھانوں کا جائزہ لیتے ہوئے انکو

قوانینِ شاعری کے مطابق مناسب ردیف، قافیے اور بحر میں موزون کر کے بطور نگ اپنے اشعار کی مالا میں موتیوں کی طرح پرویا ہے جسکی بدولت شعراء کی قادر الکلامی نکھر کر سامنے آئی ہے۔ شاعری کو پُر اثر بنانے کے لئے صاف سُتھرے الفاظ، عوامی لہجہ اور منفرد اسلوب لازمی ہے اور پنجابی اکھانوں کے استعمال سے نہ صرف یہ ساری خوبیاں کلام میں سمٹ آئیں بلکہ اسلوب بھی نمایاں اور منفرد ہو گیا۔ اکھانوں میں موجود الفاظ ہر دور میں ایک جیسے ہی رہتے ہیں جیسے روزِ اوّل میں ہوتے ہیں زمانے کے بدلاؤ کے ساتھ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اسی وجہ سے ہی اکھان ہر زبان کے ادبی وجود پر ماتھے کے جھومر کی طرح چمکتے رہتے ہیں۔

جیسے پنجابی کلاسیکی شعراء کے کلام کے کئی شعر یا شعروں کے الفاظ با قاعدہ اکھانوں کا مقام حاصل کر چکے ہیں ایسے ہے جدید دور کے شعراء نے بھی اپنے کلام میں اکھانوں کا استعمال خوبصورت ڈھنگ سے کیا ہے رؤف شیخ اور اقبال صلاح الدین کے منظوم کلام میں براہِ راست پنجابی اکھان اور کئی شعر پنجابی اکھانوں کے تناظرات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ پنجابی زبان کے لکھاریوں نے منظوم پنجابی ادب کی خوب آبیاری کی اور اپنی ماحول کے مطابق اس گلشن کو خوب سجایا۔ پنجابی غزل اور نظم میں جہاں حُسن وعشق، سراپا نگاری، احساس وجذبات، آس اُمید، استعارہ، تشبیہات، ثقافتی، معاشرتی، معاشی معاملات کو عکسبند کیا گیا وہیں اس میں پنجابی اکھانوں کی شمولیت نے اسکی کشش کو مزید بڑھا دیا۔ رؤف شیخ اور اقبال صلاح الدین نے اپنے کلام میں پنجابی اکھانوں کا نہائت مہارت کے ساتھ استعمال کر کے اسکے حُسن کو مزید چار چاند لگائے ہیں آیئے دیکھتے ہیں:

رؤف شیخ کا مختصر تعارف اور ادبی جہتیں:

پنجابی ادب کی دُنیا میں رؤف شیخ کے نام سے شہرت پانے والے عبدالرؤف 14 اگست 1934 کو ضلع حافظ آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی جبکہ بطور پرائیویٹ پنجابی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ 1954 میں لاہور آ گئے اور لوہے کے کاروبار سے منسلک ہو گئے اور ساتھ ساتھ شاعری کا شغف بھی کرتے رہے۔ شاعری کے ساتھ ان کا فطری لگاؤ ہونے کی وجہ سے اُنکے کلام سے فکری احساس خوب ملتا ہے۔ (6)

رؤف شیخ کی شاعری کو اکلاپے کے احساس، شہر اور گاؤں کا رنگ، لوگوں کی خود غرضی، یاروں دوستوں کے ساتھ گلے شکوے، رشتوں کی بے اعتباری، استحصال، مقدر کا شکوہ، دُکھوں سے رفاقت جیسے عناصر ان کے کلام میں نمایاں ہیں ویسے ہی ان کے کلام کو پنجابی کہاوتوں کے تناظر میں اور پنجابی کہاوتوں کے براہِ راست استعمال کے ذریعے بخوبی جانچا جا سکتا ہے۔

ادبی جہتیں: واٹاں، بلدا شہر، چپ دا زہر، کرناں تے شکر دوپہر وغیرہ انکی پنجابی شاعری کی معروف کتابیں ہیں۔

کلام کی جھلک:۔

کجھ لوکاں ایس طراں وی جگ دا ساتھ نبھایا اے
اوسے یار دا کلمہ پڑھیا جیہڑا نظری آیا

اور

یاراں کیتیاں جدوں صلاحواں میرے گھر نوں ڈھان دیاں
کندھاں دے نال لگ کے روئیاں رُتاں میرے ہان دیاں

شعر: جیہا گیوں مُڑ پرت نہ آیوں
تھک گئی جُھل جُھل پُٹھیاں پکھیاں (7)

اکھان: ''جتھیں دفنائے مُڑ نہیں آوندے۔''

زندگی میں انسان ایک دوسرے سے اگر بچھڑ جائیں تو کسی نہ کسی موڑ پر دوبارہ مل جاتے ہیں مگر کچھ لوگوں کو وفات کے بعد جب دفنا دیا جائے توں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔

شعر:

تیرے ملن تے ہسّاں گا، نہ تیرے غم وچ رُوواں گا
ویلے دے متھے تے کوئی نویں گھڑونی گھڑ جاواں گا (8)

اکھان: نہ ملن دی خُشی نہ مرن دا غم۔

معاشرے میں کچھ لوگ اپنی طبعیت کے مالک ہوتے ہیں انکو کسی کے ملنے یا نہ ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔بس اپنی مگن میں مست الست زندگی گزارتے ہیں۔

شعر:

تینوں طُور دا نُور نہ لکّھاں اپنا مان تراں چا لکّھاں
سرناواں نہیں بچدا مینوں یاں فردوس دی حُور نہ لکّھاں
جُھوٹ کدی نہیں پچدا مینوں (9)

اکھان:
جُھوٹھ،جُھوٹھ اے، سچ،سچ اے۔
شعر:

ذاتاں دے رَولے وچ پے کے دُنیا کولوں ڈر کے
اپنے پیار نوں ویہناں ویں توں نیویاں اکھاں کر کے(10)

اکھان: ذات پات پچھے نہ کوئی ہرنوں پچھے ہرداہوئے۔
شعر:

اِنج نہ پاگُو پت نی اڑیئے نہ جُک اپنی اَت نی اڑیئے *
بھٹ رناں دیباری آکھن گُھریں جہناں دی مت نی اڑیئے**" (11)

اکھان: اَت خدادا وَیر ہونداا ے (یا) بھٹھ رناں دیباری گُھری جیہناں دی مت (یا) رناں دی گُھری پچھے مت
شعر:

زنیں کہہ گئے وارث شاہ رناں دانہیں کوئی وساہ
وارث رَن،فقیر،تلوار،گھوڑا چارے تھوک ایہہ کسے دا یارناہیں(12)

اکھان:
رناں کول اکوتر سو چلتر ہوندے نیں (یا) رناں دی ذات بے وفا اے
شعر:

بھُبھل وانگوں اندرے اندر دُھخدے رہنا سَوکھا اے
عشق دِھی بھٹّی دے وچ اڑیئے کُندن بننا اوکھا اے(13)

اکھان:
ونا بھٹّی پے کے ای کُندن بن دا اے (یا) عشق لاوَنا سوکھا تے نبھاوَنا اوکھا اے
شعر:

اُڈدے پنچھی مِیت نہیں ہوندے اینویں نہ پئی آساں لا
جیہڑا تینوں بھُل بیٹھا اے اوہدے لئی نہ جان گوا(14)

اکھان:

بیٹھیاں نوں چھڈ کے اُڈدیاں دے پچھے نساں(یا)
جیہڑا جانے آپ نوں اوہدے جانیئے باپ نوں

شعر:

پر اوہ پیار کدی نہ لوڑاں جیہڑا لاوے اَگ
پر یمی بھانویں مِل نہ سکّن دُھماں پے جان جگ(15)

اکھان:

عشق چُھپایاں نہیں چُھپدے

شعر:

بھخدیاں گلّہاں ویکھ کے مینوں لاٹاں ماردی سُجُھی اگ
چَن چڑھے تے ہو کوئی ویکھے کِس نوں دِسّے گُجھی اگ(16)

اکھان:

چن چڑھے گُجھے نہیں رہندے

شعر:

غم دے اتھرو تیل بنے تے یاداں دے چنگیاڑے پُھٹے
اک واری فیر بھڑک پئی اے بڑے چِراں دی بُجّھی اگ"(17)

اکھان: دُھخدی نوں اگ ڈاہنا

شعر:

ہر ویلے جو دیس دی خاطر رکھے تلی تے جان
اوہو قوم دا سچّا راکھا اوہو دیس دا مان (18)

اکھان: تلی تے جان رکھنا

شعر:

وچ وساکھے اگّاں ورگیاں دُھپاں دے وچ سڑدے رُکھ

گوڑ سیالے ککّر پالے سردی دے وچ ٹھردے رُکھ(19)

اکھان:

دُھپاں چھانواں اپنے جُثّے تے جرنیاں پیندیاں نیں

شعر:

ایس سُنجسان تو اَکّ گیاواں ایس چُپ چان توں رجّ گیاواں
کدی تے میرے نیڑے آوَ میرے کن وچ رَل کے چیکو(20)

اکھان: بوہتا بھلا نہ بولنا تے بوہتی بھلی نہ چُپ بوہتا بھلا نہ مینگلا تیبوہتی بھلی نہ دُھپ

شعر:

کوئی کسے دی بانہہ نہیں پھڑدا کوئی کسے نوں راہ نہیں دسدا
بھج شریکیں رَلدے ویکھے فیروی ڈِگدے ڈھینڈے لوک(21)

اکھان:

کوئی نہ ملیا محرم دل دا جو ملیا سو غرضی (یا) ٹٹیاں بانہواں گل نوں آوندیاں نے

اس سے پہلے کہ ہم اقبال صلاح الدین کی نظم میں سے اپنی پرکھ پڑچول کو واضح کریں بہتر ہو گا کہ تھوڑا اسی نظم کے بارے جانکاری حاصل ہو جائے۔لغوی اعتبار سے نظم کے معنی کچھ اس طرح سے ہیں:

موزوں کلام، شعر، بندوبست، انتظام، سجاوٹ، لڑی میں پرونا اور منظم طریقے سے پیش کرنا(22)

پنجابی اور اُردو کی تقریباً تمام لغات میں ایسے ہی معنی درج ہیں،لغوی معنوں پر غور وفکر کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ منتخب کئے گئے موضوع کے لئے الفاظ کو اک خاص سلیقے، ترتیب اور حساب سی شعری انداز میں قارئین کے پڑھنے کے لئے پیش کرنا ہی نظم کہلاتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں نظم شاعری کی ایسی صنف ہے جس میں ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک موضوع کو مدِ نظر رکھتے ہیں، جبکہ کئی بار شعر اور خیالات کی وسعت کی وجہ سے اشعار کو مختلف بندوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے جسکیو جہ سے نظم کا مجموعی تاثر قاری پر واضح ہو جاتا ہے نظم کی ہیئت کے بارے اگر بات کی جائے تو اس میں اشعار کی گنتی اور مصرعوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بس خیال کے تسلسل، روانی، موسیقیت اور جامعیت کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے، ارکان کے اوزان اور تکرار، ردیف اور قافیہ کی بندش کی وجہ سے نظم کو آزاد، پابند اور معرّا نظم جیسے ناموں سے پکارا جاتا

ہے۔نظم میں ان اوصاف کی موجودگی سے نظم ایک ایسے ہار کی مانند ہو جاتی ہے جس کا ہر موتی ڈھیر سلیقے، عقلی شعور اور جذباتی خلوص سے پرویا جاتا ہے۔ بے شک پنجابی زبان کی قدیم شاعری کی ساری لوک داستانیں، واریں اور جنگنامے کسی حد تک معرّیٰ نظم کی قدیم شکل دکھائی دیتی ہیں، مگر آزاد نظم لکھنے کا رواج بیسویں صدی میں شروع ہوا جب پُوری دُنیا میں آزادی کے جذبات اُبھرنے لگے۔ 1913ء کے قریب امریکہ اور انگلینڈ کے بلند پایہ شعراء ٹی ایس ایلیٹ، آزرا پاؤنڈ، جے جی فلیچر، ایلڈنگٹن، ٹی ایس فلنٹ اور ہلڈا ڈولٹل جیسے لوگوں نے آپسی صلاح و مشورہ کے بعد یہ اعلان کیا کے نظم میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں جسکی وجہ سے جدید منظوم ادب کے لئے نئے اور جدت پسند اصول و ضوابط وضع کئے گئے۔

اب معاشرے میں موجود ہر معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور جبر و ظلم جیسے مسائل اور مناظر کو نظم میں سینچا جانے لگا، انہی اصولوں کو دیکھتے ہوئے اُردو اور پنجابی زبان کے کُچھ شعراء کا رُجحان اس طرف ہوا۔ یعنی 1913ء کے بعد شاعری شاہی دربار سے نکل کر عوامی سطح پر پہنچ گئی جس کی وجہ سے نظم کی مزید اقسام بن گئیں جیسے کے آزاد نظم، پابند نظم، معرّا نظم اور نثری نظم وغیرہ۔نظم کی اس جدید حلقہ بندی نے نظم کا رخ عشقیہ قصائص سے موڑ کر عوامی مسائل کی جانب مبذول کروا دیا اور پنجابی شعراء نے اس نئی تبدیلی کو خوشدلی سے قبول کیا۔آزاد پنجابی نظم کے رُجحان ساز شعراء میں پورن سنگھ، دیوان سنگھ، موہن سنگھ، امرتا پریتم، مولا بخش، فیروز دین شرف، حکیم ناصر، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر رشید انور، شریف کنجاہی، احمد راہی، باقی صدیقی، منیر نیازی، عارف عبدالمتین، اقبال صلاح الدین وغیرہ جبکہ موجودہ دور میں انور مسعود، نجم حسین سیّد اور ڈاکٹر نوید شہزاد جیسے نمایاں نام ہیں۔

اقبال صلاح الدین کا مختصر تعارف اور ادبی کارنامے:

اقبال صلاح الدین 28 اکتوبر 1933 کو ضلع ساہیوال کے قریبی قصبہ قلعہ نور میں پیدا ہوئے، انھوں نے ابتدائی تعلیم کا کچھ حصہ اپنے قصبہ جبکہ میٹرک اوکاڑہ سے پاس کیا، اسکے بعد لاہور سے 1965 میں بی اے اور فاضل فارسی دو امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کئے مزید ایم اے فارسی اور ایم او ایل (ایم-فل) فارسی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج سے حاصل کیں۔ اسکے علاوہ ایم اے اُردو اور فاضل پنجابی کے امتحانات بھی پاس کئے اور بطور محقق شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بہت ساری ادبی تنظیموں کے نمایاں ممبر بھی رہے، اقبال صلاح الدین ایک اچھے خطاط اور فٹ بال کے بہترین کھلاڑی بھی تھے۔شعر کہنے اور مضامین لکھنے کا شوق بچپن سے ہی رکھتے تھے انکا تحقیقی و تخلیقی

سفر مندرجہ ذیل ہے:

پنجابی کتابیں:

خسروؒ دیاں بجھارتاں، یار فرید، مثنوی باغ و بہار قاضی امام بخش شیروی، لعلاں دی پنڈ، کِکر کنڈ یالی (پنجابی نظمیں)۔

اردو کتابیں:

شیرت شیخ احمد سرہندی، خسرو شیریں زباں، حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت بوعلی قلندر، خسرو دوسروں کی نظر میں، خسرو کی کہانیاں اور کہہ مکریاں، سب رس اور وجہی، پنجابی ادب کی تاریخ۔

فارسی کتابیں:

کلیاتِ غزلیاتِ خسروؒ (چار جلدیں) (23)

اسکے علاوہ اقبال صلاح الدین نے بہت ساری کتب کے دیباچے اور تقریظات بھی لکھیں۔

اقبال صلاح الدین نے جہاں پنجابی ادب کی اتنی خدمت کی وہاں اپنی نظم میں پنجابی اکھانوں کا براہِ راست استعمال بھی کیا اور پنجابی اکھانوں کے تناظر میں بھی کئی شعر خوبصورت انداز میں لکھے ہیں۔ اُنکی کتاب ''کِکر کنڈ یالی'' میں سے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:۔

شعر:

توں فرمایا آپے مینوں--------: نہ اُمید نہ ہوویں

توبہ تائب ہو کے--------بندیا بُوہے آن کھلوویں (24)

اکھان:

توبہ ای بھلی اے (یا) ربّ دے گھر چنگے دی اُمید رکھی دی اے۔

ہر انسان کو نصیحت ہے کہ اپنے پروردگار سے اپنے دیدہ و نادیدہ گناہوں کی مغفرت طلب کرتا رہے اور کبھی بھی اپنے ربّ سے مایوس نہ ہو اسکی رحمت کا دروازہ کبھی بھی کھُل سکتا ہے۔

شعر:

نہ دھرتی تے پھَل پھُل رہسن نہ کِکر کنڈ یالی

پھیر توں کاہدا مالی؟ سجنا! پھیر توں کاہدا مالی؟" (25)

اکھان:

اُجڑے باگاں دے گالھڑ مالی

جب باغ میں لگا ہر پودا ختم ہو جائے، زمین بنجر ہو جائے تو وہاں پھر مالی کا کیا کام ہوتا ہے۔ اگر ایسے میں کوئی پُوچھے کہ اس باغ کا کون مالی ہے تو بتایا جاتا ہے کے اُجڑ جانے والے باغوں کے گلہری مالی ہوا کرتے ہیں۔ کیوں کہ جو مالی اس باغ کی خدمت کے لئے رکھا تھا اس نے اپنا کام لگن اور محنت سے نہیں کیا البتہ اسکی ہڈحرامی سے یہاں پر گلہریوں نے بسیرا کرلیا اور پھلوں کو ضائع کرتے رہے یہاں تک کہ پورے کا پورا باغ بنجر زمین کی شکل اختیار کر گیا۔ اس اکھان میں ایک طرف تو انسان کو وقت کی قدر و قیمت پہچاننے کا اشارہ ہے اور دوسری طرف ایمانداری سے اپنے فرائض سرانجام دینے کے لئے اکسایا گیا ہے۔ کیوں کہ جو بھی کام وقت پر اور ایمانداری سے کیا جائے ہمیشہ اس کا فائدہ ہوتا ہے نہیں تو نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شعر: خوشیاں دے وچ حصّہ ہر دا

پیڑ پرائی کوئی نہ جردا

میں روندی نوں کون ہساوے″(26)

اکھان: پرائی اگ کوئی نہیں سڑدا

(یا) جیہنوں چونڈی بھریئے اوہنوں ای پیڑ ہوندی اے″

شعر:

وڈے ویلے پیلا پیلا چہرہ لے کے دل وچ لکھاں سدھراں لے کے

اپنے گھر وچوں ٹُر پیندا اے

شاماں ویلے رتو رتی جُثہ لے کے

موئیاں موئیاں سدھراں لے کے اپنے گھر نوں ٹُر پیندا اے″(27)

اکھان:

ہڑا چڑھیا اے اوہنے ڈُبناوی اے (یا) ہر عروج نوں زوال اے

شعر:

ایہناں کولوں بچ نکلے تے، ساڑن پھُوکن رولن والی،

واخزاں دی، ہٹ ہٹ اوہنوں بجھاں مارے

پھیرو چارہ، تھکّا ٹُٹا۔۔ہنبھیا ہویا، زویں دے اُتے ڈِگ پینداا ے،
ککھاں وانگوں رُل جانداا ے(28)

اکھان:

گلیاں دے ککھ بن کے رُلنا (یا) ککھاں وانگوں گلیاں وچ رُلنا"

شعر:

اِک دن باگاں اندر، پھُلاں کلیاں سڑ سُک جانا
اِک دن، شہرگراواں اُجڑ جانا،
آپس دے اس رولے گولے، مُک چُک جانا(29)

اکھان:

دُنیا آخر مُک جانی (یا)
دُنیا گھٹ دی داپہرا ے

شعر:

شہر گراواں کولوں جنگل بیلے
سَوسَو تنگی سہندے پھیروی چُپ چُپ رہندے (30)

اکھان: چُپ ای بھلی اے

شعر:

اس دنیا کُوڑ کھلاریا رَنج اپنا آپ سواریا
ایہہ سوہنی بن بن دسدی ہر پکھوں دل نوں کھسدی(31)

اکھان: دُنیا کُوڑ تماشہ

شعر:

مکڑی نے۔۔اک تانا۔۔۔تنیا، وِچلی گل داپچُھ نہ اڑیا
تیری میری سمجھ نمانی، انھی مُوری۔۔خصماں کھانی
اِس تانے دی بُنت سہیانے، ایویں کردی زور دھگانے

گورکھ دھندا۔۔ گورکھ دھندا، کیہہ سمجھے گا۔۔مُورکھ بندہ (32)

اکھان:

زوریں یونہہ نہیں لگدے (یا) زندگی ناپائیدار اے

شعر:

اُچے اُچے شملے۔۔۔ نیویں ہو جاندے نیں

قوماں اُتے۔۔۔مندے دن جد آ جاندے نیں (33)

اکھان: بُرے دناں توں ربّ بچاوے

شعر:

ایہہ ویلا۔۔۔ پھر ہتھ نہیں آؤنا۔۔۔ چنگا نہیوں پچھوں تاؤنا

ویکھیں۔۔۔ اپنا اگ نہ ماریں۔۔۔ جیون دی بازی نہ ہاریں (34)

اکھان: لنگھیا ویلا مُڑ نہیں آؤندا

شعر:

ایہہ تے ہیسی پیار دا موسم۔۔۔ باگاں وچ۔۔۔ بہار دا موسم

اِنج لگدا اے۔۔۔۔ جیویوں ''ہونی'' ایتھے ورت گئی اے (35)

اکھان: ہونی ہوون ہار

شعر:

ویکھو ویکھی۔۔۔ ڈھٹھے کھوہ وچ ڈھیندی جاوے

کملی وسّوں نوں۔۔۔ کیہہ بنیاں۔۔۔؟ (36)

اکھان:

بھیڈ دے مگر لگیاں نہ اُرار نہ پرار (یا)

بھیڈ چالا مُنہ کالا

شعر: میرا اُس بن ناہیں کوئی

کدھرے اُس بن ملے نہ ڈھوئی

جس تن لاگے۔۔۔۔جانے سوئی

نانک۔۔۔۔دُکھیا سبھ سنسار (37)

اکھان: جس تن لاگے سوتن جانے (یہ اُردو زبان کا اکھان ہے مگر پنجابی زبان میں بھی اسی روانی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے)۔

نانکا دُکھیا سب سنسار

بابا گُورو نانک کا یہ محاورہ پورے پنجابی معاشرے میں ایک اکھان کی صُورت اختیار کر گیا ہے۔ ان کے مطابق عالمِ ارواح سے نکلنے کے بعد ہر رُوح اپنے جسم کی قید میں بے چین اور دُکھی ہے اس رُوحانی بے چینی کی وجہ سے ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے۔

شعر:

اکھ مناکھی۔۔۔شُوم دے بُوہے جاوے، اوہنوں سخی بناوے

تُوں۔۔۔اکھاں دا چانن دے کے، سخیاں تائیں شُوم بناویں (38)

اکھان: ربّ لکّھوں لکھ تے لکّھوں ککّھ بناوے

اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ اسکی رحمت جب جوش میں آجائے توں نوازشات کی برسات ہوجاتی ہے فقیر کو غنی اور غنی کو فقیر بنا دیتا ہے۔

پنجابی بولی اور ادب میں یہ اکھان شاندار حیثیت رکھتے ہیں ان کو پڑھنے اور سُننے سے ادب پارے کا مزہ دوبالا ہوجاتا ہے۔ اکھانوں کے استعمال سے لکھاری کے جذبات اور مقاصد جلدی سمجھ آجاتے ہیں، مطلب کی باریکی بذریعہ اکھان جلد سمجھ لی جاتی ہے۔ ہم اس سچائی کو پسِ پردہ نہیں ڈال سکتے کہ پنجابی ادب کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے لیکن پھر بھی ادب کی اس وسعت کو اکھانوں کی صُورت میں مختصر کر کے دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ پنجاب کے مکین جتنی مرضی ترقی کر لیں، جدّت اپنا لیں، جدید ترین ٹیکنالوجی کے استعمال سے پوری دُنیا کے فلسفہ کو سمجھ لیں مگر پھر بھی پنجابی قوم اپنی مادری زبان اکھانوں کے ذریعے بولتے اور سمجھتے رہیں گے، اور قوموں کی ترقی کا راز مادری زبان سے وابستگی میں پنہاں ہے۔

اکھان ایسی سچائیاں ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے ساتھ وقوع پذیر ہوئی ہوتی ہیں۔ ان اکھانوں سے زندگی گزارنے کے کئی راہنماء اصول مل جاتے ہیں یہ گفتگو کو خوبصورت اور پُر اثر بنانے کے لئے عمومی طور

پر استعمال کئے جاتے ہیں۔شاعری اور نثر دونوں صنفوں کو خوبصورت بنانے کے لئے اکھانوں کا استعمال کیا جاتا ہے، جو مٹھاس، چاشنی، موسیقیت، سوچ اور فکر شاعری کو چار چاند لگاتی ہے اسکو مزید چمکانے کے لئے لکھاری اپنی تصانیف میں جہاں دوسری اصناف کا استعمال کرتے ہیں وہاں اکھانوں کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔کم سے کم الفاظ میں کسی بڑے مسئلے یا مقصد کو سمجھانا ایک بہت بڑا فن ہے اور یہ فن کسی کے سمجھائے سمجھ نہیں آتا بلکہ اپنی سمجھ بُوجھ سے سمجھنا پڑتا ہے۔ادبی پارے میں اکھان کی شمولیت سے ادب کا حُسن مزید بڑھ جاتا ہے اسی طرح اکھانوں کے تناظر یا براہِ راست اکھانوں کے استعمال سے کی جانے والی شاعری کا مقام و مرتبہ مزید بلند ہو جاتا ہے۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اکھانوں والے شعر لوگوں کو جلد یاد ہو جاتے ہیں اور دیر پا ان کا تذکرہ لوگوں کی محافل میں رہتا ہے۔

اکھان وجودی اعتبار سے چھوٹے چھوٹے جملے ہونے کے باوجود ادب میں اپنا قد کاٹھ کافی اونچا رکھتے ہیں، ان اکھانوں میں کسی بھی زبان اور ماہرینِ لسانیات کی تاریخ جھلکتی ہے، اکھان صرف ادب کا حصہ ہی نہیں ہوتے بلکہ قوموں کی تہذیب اور تاریخ کو بھی انکے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اکھان نسلِ نو کو اسلاف کے کارناموں سے متعارف کروانے کے ساتھ قوموں کے تہذیبی ورثوں کو نہائت دانشمندی سے منتقل کرتے ہیں۔ رؤف شیخ اور اقبال صلاح الدینکے پنجابی کلام میں جہاں دوسرے بہت سارے ادبی محاسن موجود ہیں وہاں پنجابی اکھانوں کا جائزہ بھی احسن طریقے سے لیا جا سکتا ہے اسی سلسلہ میں ایک ادنیٰ سی سعی کی گئی ہے۔ مذکورہ شعراء نے مادری زبان کے ایک بڑے اہم اور قیمتی اثاثے کو اپنے کلام میں سمو کر اسکی سنبھال میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اکھانوں میں چھُپا فلسفہ اور اسکی سمجھ بوجھ نے روزِ اوّل سے ہی لوگوں کی راہنمائی میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا ہے، ان اکھانوں کو زبانی کلامی گلی میں خواتین اور بزرگوں کی محافل سے نکال کر شاعری میں نہائت سلیقہ مندی سے استعمال کرتے ہوئے ایک طرف انکو محفوظ کیا ہے تو دوسری طرف اپنی وسیع العلمی کا بھرپور ثبوت آنے والی نسلوں اور شعراء کے لئے بطور مثال پیش کر دیا ہے۔

❁...❁...❁

حوالہ جات:

1۔ ابوتراب خطائی، سید، ضرب المثال اوراُنکاپسِ منظر، اُردو لائبریری، بنگلور، 1981ء، ص 2
2۔ تنویر بخاری، تنویر اللُغات، پنجابی توں اُردو، ایور نیو بک پیلس، لاہورس۔ن۔ص78
3۔ سعید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2002ء، ص 234
4۔ سری واستوگنیش چند، شبدکوش، اکھنڈ پستک مالا، دہلی (بھارت)، 1935ء،
5۔ انجم گیلانی، سیدہ، سرائیکی محاورے اور ضرب الامثال، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان، 1996ء، ص9
6۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور مرتبہ 1972ء، ص 593
7۔ رؤف شیخ، کرناں، ادارہ پنجاب رنگ لاہور، مرتبہ 1965ء ص11
8۔ وہی، ص11
9۔ وہی۔ص 40
10۔ وہی۔ص 42
11۔ وہی۔ص 47
12۔ وہی۔ص 48-49
13۔ وہی۔ص 67
14۔ وہی۔ص 67
15۔ وہی۔ص 70
16۔ وہی۔ص 71
17۔ وہی۔ص 71
18۔ وہی۔ص 75
19۔ وہی۔ص 82
20۔ وہی۔ص 83

21۔ وہی۔ص 87

22۔ وارث سرہندی، علمی اُردو لُغت جامع، علمی کتاب خانہ، لاہور طبع 2014ء، ص1515

23۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور مرتبہ 1972ء، ص 585-584

24۔ اقبال صلاح الدین، ککر کنڈ یالی، عزیز پبلشرز، لاہور مرتبہ 1977 ص13

25۔ وہی۔ ص19

26۔ وہی۔ ص26

27۔ وہی۔ ص32

28۔ وہی۔ ص33-34

29۔ وہی۔ ص37

30۔ وہی۔ ص41

31۔ وہی۔ ص43

32۔ وہی۔ ص53

33۔ وہی۔ ص56

34۔ وہی۔ ص66

35۔ وہی۔ ص69

36۔ وہی۔ ص80

37۔ وہی۔ ص90

38۔ وہی۔ ص94

❁...❁...❁